وقائع نگار الحق مقیم مدینہ طیبہ

حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمی مدظلہ
مہتمم دار العلوم دیوبند

خانہ کعبہ کی مرکزیت

مدینہ منورہ میں کی گئی ایک تازہ تقریر

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کی یہ تقریر علوم شرعیہ کے ادارہ والے ہال میں ۲ محرم ۱۳۹۵ھ بروز بدھ بعد از نماز عصر ہوئی جس میں سینکڑوں علماء و مشائخ اور زوار و حجاج نے شرکت فرمائی۔ جس انداز سے حضرت نے تقریر کے مبادی بیان کئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چار پانچ گھنٹوں کی تقریر تھی۔ افسوس کہ وقت کی تنگی کی وجہ سے آپ نے اجمالی بیان فرمایا۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نے حضرت قاری صاحب کو تقریر کرنے کی دعوت دی تھی اور وہ خود بھی موجود تھے۔

(خطبہ مسنونہ کے بعد) اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

انّ اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکاً وھدًی للعالمین۔ فیہ آیات بیّنٰت مقام ابراھیم ومن دخلہ کان آمنا۔ (الیٰ آخر الآیۃ)

بزرگان محترم! اس وقت آپ الحمد للہ کہ اوّل عالم میں موجود ہیں۔ جو مرکز عالم بھی ہے اور وسط عالم بھی ہے۔ اور اصل عالم بھی ہے۔ میں نے چار الفاظ استعمال کئے۔ کہ خانہ کعبہ اوّل عالم، مرکز عالم، وسط عالم، اور اصل عالم ہے۔ سب سے پہلا مقام دنیا میں یہی ہے۔ اور اصل سب کی یہی ہے۔ اور عالم شاہد کے بیچوں بیچ بھی ہے اور مرکز بھی یہی ہے۔

یہ چار چیزیں ہیں ان میں بعض امور تو نص قطعی سے ثابت ہیں یعنی قرآن کریم نے خود تصریح فرمائی ہے اور بعض چیزیں آثار صحابہ سے ثابت ہیں۔ یعنی حدیث مرفوع اس میں یا ہے نہیں یا ہمارے علم میں نہیں۔ لیکن آثار صحابہ کے اندر ملتی ہیں۔ قرآن کریم نے تو ارشاد فرمایا: اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ۔ سب سے پہلا گھر خدا کا جس کو اللہ تعالیٰ نے وضع کیا لوگوں کے لئے وہ مکّہ میں ہے۔ خواہ مکہ کے معنی مکہ کے ہوں یا بکہ کے معنی اس موضع کے ہوں کہ جس میں بیت اللہ واقع ہے۔ اور اس کے اردگرد کو مکہ کہتے

ہیں۔ یہ اختلافِ اقوال ہے۔ بہرحال حاصل یہ نکلا کہ خدا کا سب سے پہلا گھر جس کو عبادت کیلئے بنایا گیا ہے۔ وہ مکّہ میں ہے جس کا نام بیت اللہ ہے۔ جب اللہ نے ارادہ کیا کہ اس عالم کو پیدا کیا جائے تو اس میں سب سے پہلی وضع بیت اللہ کی واقع ہوئی۔ جیسا کہ آثارِ صحابہ سے واضح ہوتا ہے۔ کہ پورے عالم میں پانی پانی تھا۔ یعنی عناصرِ اربعہ میں سب سے پہلے اللہ نے پانی کو پیدا کیا۔ تمام عالم میں پانی پانی تھا۔ جب حق تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ اس پانی سے دوسرے عنصر تیار کئے جائیں اور اس سے ساری کائنات بنائی جائے۔ اس پانی میں یہ جگہ جہاں بیت اللہ واقع ہے ابھری ہوئی تھی جیسے پہاڑی کا ایک چھوٹا سا مقام ہوتا ہے۔ وہ ٹھہر گیا۔ اس کے بعد میں کچھ گہرائی واقع ہوئی۔ اس کے بعد پانی نے ٹکرانا شروع کیا۔ جب سمندر کا پانی ٹکراتا ہے۔ تو اس میں غلظت اور گاڑھا پن پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں سمندر کے کناروں پہ جب پانی ٹکریں کھاتا ہے۔ تو جھاگ پیدا ہو جاتی ہے۔ اور وہ سمندر جھاگ پتھر کی طرح سخت۔ تو پانی نے جب ٹکرانا شروع کیا تو غلظت اور گاڑھا پن واقع ہوتی اور گاڑھے پن نے سختی اختیار کی اور ایک اینٹ کے برابر سختی پیدا ہوئی ــــ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک اینٹ کے برابر زمین بنی اور وہی بیت اللہ کا حصّہ ہے۔ اس کے بعد حق تعالیٰ نے اس کو بڑھانا اور پھیلانا شروع کیا۔ تو پھیلتے پھیلتے زمین بنتی گئی اور اس حد پر آ کر رک گئی۔ جس حد پہ آج موجود ہے کتنے دنوں میں مکمل ہوئی یہ تو اللہ جانتا ہے۔ قرآن مجید میں بعض جگہ تصریحات بھی ہیں۔ لیکن اس وقت مدّت سے بحث نہیں۔

بہرحال یہ معلوم ہوا کہ بیت اللہ اصل ہے ساری زمین کا، اور اس سے ساری زمین بنی، اور ورنہ آپ جانتے ہیں کہ ہم سب زمینی مخلوق ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس مٹی سے پیدا کیا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ کلکم بنو آدم وآدم من تراب۔ تم سب کے سب آدم کی اولاد ہو۔ اور آدم کی اصل مٹی ہے۔ تو ہم سب کی اصل بھی مٹی ہوئی۔ اس سے انسان کو مشتِ خاک کہا جاتا ہے۔ مشتِ غبار کہا جاتا ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے

قدرت خدا کی دیکھیے تو انساں کو دیکھیے
کیا کیا تکلفات ہیں مشتِ غبار میں

ایک مٹھی بھر مٹی نے کیا کیا تکلفات کئے، کتنا دنیا کو سجایا اور کہاں تک پہنچایا۔ تو حق تعالیٰ نے ہم سب کو مٹی سے بنایا اور مٹی کی اصل بیت اللہ ہے۔ اس کا حاصل یہ نکلا کہ سب کی اصل بیت اللہ ہے۔ یہ قاعدہ ہے کل شیء یرجع الی اصلہ۔ ہر چیز اپنی اصل کی طرف دوڑتی ہے۔ اگر شاخیں ہیں تو پیڑ کی طرف رجوع کریں گی۔ پانی ہے تو وہ اپنے مرکز کی طرف رجوع کریگا۔ زمین اپنے مرکزِ ثقل کی طرف

رجوع کرے گی۔ ہر چیز اپنے مرکز کیطرف فطری طور پہ رجوع کرتی ہے۔ اسے کہنے کی ضرورت نہیں پیش آتی۔ جیسا بیٹے کو کشش ہے باپ کیطرف۔ آپ بیٹوں کو تلقین نہیں کرتے کہ بھائی باپ کی طرف رجوع کرو، طبعی کشش ہے، آپ کہیں یا نہ کہیں تو اسی طرح خلقۃً تمام انسانوں کو طبعاً رجوع ہے بیت اللہ کیطرف۔ البتہ بعض کے علم میں ہے اور بعض کے علم میں نہیں۔ جب ان کے علم میں آجائے تو ان میں بھی کشش ہو جائے یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی شخص کی اولاد ہوئی۔ بچہ پیدا ہوتے ہی باپ بھاگ گیا۔ بچہ جوان ہوا۔ اب اگر کہیں باپ سامنے آئیگا تو طبعی کشش بچے کے اندر تو ہوگی۔ مگر یہ نہیں جائیگا کہ یہ باپ ہے۔ جب تک پہچانا نہ جائے۔ جب پہچان جائے گا کہ یہی ہے وہ باپ جس کی طرف طبعی کشش ہے۔ تو تشخص بھی آجائے گا۔ تو فطرۃً ہر انسان جانتا ہے۔ کہ اسے اپنے اصل کی طرف کشش ہے۔ انبیاء علیہم الصلوات نے آکے تعارف کرا دیا کہ جس اصل کی طرف تمہیں طبعی کشش ہے وہ یہی چیز ہے۔ تو جن کے علم میں نہیں تھا، پیغمبروں کے کہنے سے وہ سمجھ گئے۔ ایمان سے آئے تو کشش بھی ہے۔ اور تشخص بھی ساتھ ہے۔ معرفت بھی ہے۔ پہچان بھی ہے۔ غرض خلقۃً رجوع ہے انسان کا بیت اللہ کیطرف۔ حق تعالیٰ نے ایسی کشش پیدا فرمائی کہ عبادت میں بھی اسی کو مرکز سمجھو۔ اگر عبادت کا مرکز کوئی ایسا ہوتا کہ طبعاً رجوع نہ ہوتا۔ زور زبردستی سے لوگ رجوع کرتے، فطری کشش نہ ہوتی۔ مگر حق تعالیٰ نے ایسی جگہ کو مرکزِ عبادت بنا دیا کہ جس کی طرف طبعی کشش ہے۔ طبعی کشش بیچ میں رکھ دی تاکہ اس مرکز کی طرف رجوع ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لیکر آج تک کروڑوں اربوں انسان "من کل فج عمیق" ہر گھاٹی اور وادی سے نکل نکل کر سفر کی سختیاں برداشت کرتے ہیں۔ صعوبتیں اٹھاتے ہیں۔ خلافِ طبع چیزیں برداشت کرتے ہیں۔ مگر آتے ہیں تو پوری کشش سے آتے ہیں۔ فطری کشش بھی ہے۔ شرعی کشش بھی ہے عقلی کشش بھی ہے۔ کئی کششیں جمع ہوئیں فطری کشش تو یوں ہے کہ اصل ہے انسان کا۔ عقلی کشش یوں ہے۔ کہ فرع اصل کیطرف رجوع کرتی ہے اور یہ معقول بات ہے اور شرعی کشش یہ ہے۔ کہ انبیاء علیہم التسلیمات نے تعارف کر دیا کہ یہی ہے وہ بیت اللہ جو تمہاری اصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی نبی ایسے نہیں گذرے جنہوں نے طواف نہ کیا ہو بیت اللہ کا۔ جب سارے انبیاء نے طواف کیا تو لازمی طور پر ان کے اقوام و امم نے بھی طواف کیا۔ کہ یہ ہماری اصل ہے۔ صرف آپ ہی کی اصل نہیں جو مسلمان کہلاتے ہیں۔ بلکہ سارے اولادِ آدم کی اصل ہے اور یہ تحت الثریٰ سے لیکر ساتویں آسمان تک ہے۔ اس کی بنیادیں دس بیس پچاس گز نہیں بلکہ حدیث میں تحت الثریٰ

تک بنیادوں کا ذکر ہے۔ تو بیت اللہ فقط اس حصہ میں نہیں جو چار دیواری آپ کے سامنے ہے۔ بلکہ تحت الثریٰ تک جتنا حصہ چلا گیا ہے وہ سب بیت اللہ ہے اور اسی طرح اوپر کیطرف عرش تک بیت اللہ ہے۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ہر آسمان میں ایک قبلہ ہے۔ اور وہ قبلہ ٹھیک اسی سیدھ میں ہے جہاں یہ بیت اللہ واقع ہے۔ اور ساتویں آسمان پر بیت المعمور ہے۔ تو ہر آسمان ہی قبلہ ہے۔ جیسا کہ ایک تار میں لٹو باندھ دئے جائیں اور پرو دئے جائیں تھوڑے تھوڑے فاصلہ سے تو ہر لٹو محاذی ہے دوسرے لٹو کا۔ تو اسیطرح سیدھ میں واقع ہے قبلہ۔ جیسے حدیث میں فرمایا گیا کہ اگر بیت المعمور سے کوئی پتھر گرایا جائے وہ سیدھا بیت اللہ کے وسط پر واقع ہوگا۔ تو بیت اللہ فقط اس چار دیواری کا نام نہیں ہے۔ بلکہ عرش سے لیکر تحت الثریٰ تک یہ تمام فضا قبلہ ہے یہی وجہ ہے اگر آپ آسمانوں میں پہنچ جائیں اور نماز پڑھیں بیت اللہ کیطرف تو آپ کو ٹیکنا نہیں پڑے گا۔ کہ بیت اللہ تو نیچے ہے کہ قبلہ کیطرف جھکیں بلکہ آپ کو سیدھا کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ہوگا۔ جیسا زمین پر پڑھتے ہیں۔ اس لئے کہ وہاں بھی سامنے بیت اللہ ہے۔ اور اگر آپ سمندروں کی تہ میں پہنچ جائیں یا زمین کے عمق میں چلے جائیں اور وہاں نماز پڑھیں تو آپ کو اس کے سجدے نہیں کرنا پڑیں گے۔ کہ بیت اللہ تو اوپر ہے۔ بلکہ سیدھے کھڑے ہو کر نماز پڑھیں کیونکہ بیت اللہ آپ کے سامنے ہے۔ بیت اللہ اوپر سے لیکر نیچے تک ایک کیل کی مانند ہے ایک نورانی لاٹ ہے۔ کہ جس کے اردگرد یہ سارے جہان چکر کاٹ رہے ہیں چکی کی پاٹ کیطرح۔ حق تعالیٰ نے اس کو برکت بنا کر ...... تاکہ اس سے وجود دیا جائے اور وجود کے دھارے چاروں طرف برابر پھیلے۔ مرکز سے جو چیز چلتی ہے وہ چار طرف برابر ہوتی ہے۔ اگر آپ پانی کے بیچ میں ڈھیلا ماریں تو دائرے بنتے بنتے کنارے تک پہنچ جائیں گے۔ مگر مرکز سب کا ایک ہی رہے گا، برابر برابر دائرے بنتے چلے جائیں گے۔ مرکز میں جو حرکت ہوتی ہے وہ پورے محیط میں ہوتی ہے۔ وجود کو جب حرکت دی گئی کہ پیدا کیا جائے زمین کو، تو اس مرکز کو وجود بخشی۔ یہ بیت اللہ محض کوئی کوٹھہ نہیں ہے۔ کوئی عمارت نہیں ہے۔ بلکہ تجلی گاہ ربانی ہے۔ اس پر حق تعالیٰ کی تجلی جو اقرب الی الذات ہے موجود ہے۔ اس تجلی کو سجدہ کرنا عین ذات کو سجدہ کرنا ہے۔ تجلی کے معنی درحقیقت عکس کے ہیں۔ بیت اللہ آئینہ جمال خداوندی ہے جس میں حق تعالیٰ نے اپنے عکس کو اتارا ہے۔ عکس اور اصل میں معیت ہوتی ہے۔ جو حرکت ذات کرتی ہے۔ وہی عکس کرتا ہے۔ اگر ذات متحرک رہی ہے تو عکس بھی متحرک رہا ہے۔ اگر اصل ٹھہر جائے گی تو عکس بھی ٹھہر جائیگا۔ فرق ہوتا ہے تو ذات و صفت کا ورنہ حرکت و سکون میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔